قائدینِ تحریکِ آزادی

ترتیب
مولانا یٰسٓ اختر مصباحی
بانی و مہتمم دارالقلم، ذاکر نگر، نئی دہلی

طابع و ناشر: رضا اکیڈمی ۲۶، کامبیکر اسٹریٹ بمبئی ۳
فون نمبر: ۳۷۳۷۶۸۱

بفیض حضور مفتی اعظم حضرت علامہ شاہ محمد مصطفےٰ رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قائدینِ تحریکِ آزادی

مرتبہ:

مولانا یٰسٓ اختر مصباحی
بانی و مہتمم دار القلم ذاکر نگر۔ نئی دہلی ۲۵

طابع و ناشر
رضا اکیڈمی ۲۶ ر کامبیکر اسٹریٹ بمبئی ۳
فون: ۳۷۳۷۶۸۱

سلسلۂ اشاعت ۱۱۱

نام کتاب	قائدین تحریک آزادی
مرتب	یٰسٓ اختر مصباحی (دہلی)
محرک	محمد سعید نوری رضا اکیڈمی ممبئی
ناشر	رضا اکیڈمی ممبئی
طبع اوّل	ربیع الآخر ۱۴۱۸ھ / اگست ۹۷ء
تعداد	دو ہزار

طابع وناشر

رضا اکیڈمی ۔ ۲۶ / کامبیکر اسٹریٹ ممبئی ۳

فون: ۳۷۳۷۶۸۱

برطانوی سامراج کے خلاف علَم جہاد بلند کرنے والے سرفروش علماء کرام
اور دہلی کی طرف ایسٹ انڈیا کمپنی کی پیشقدمی روکنے والے

قائدینِ تحریکِ آزادی

سربرآوردہ مجاہدین انقلاب ۱۸۵۷ء

حافظ رحمت خاں روہیلہ	علامہ فضل حق خیرآبادی
مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی	مولانا سید احمد اللہ شاہ مدراسی
مفتی عنایت احمد کاکوروی	مولانا وزیر خاں اکبرآبادی
مولانا وہاج الدین مرادآبادی	مولانا لیاقت علی الٰہ آبادی
مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی	مولانا امام بخش صہبائی دہلوی
مفتی سید کفایت علی کافی مرادآبادی	مولانا رضا علی خاں بریلوی

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

انگلستان سے ایسٹ انڈیا کمپنی تاجرانہ بھیس میں ہندوستان کے اندر داخل ہوئی، اور ایک مدت تک اس نے تجارت وصنعت کی طرف اپنی توجہ مبذول رکھی، لیکن سلطنت مغلیہ کے انتشار و اضمحلال نے اسے حوصلہ بخشا کہ ہندوستان کی حکومت وسیاست پر اثر انداز ہونے کیلئے اپنا پاؤں پھیلائے اور دیرینہ سازش کو روبہ کار لانے کیلئے اپنی فوجی وعسکری قوت میں رفتہ رفتہ اضافہ کرے تاکہ پہلے مرحلہ میں چھوٹی موٹی ریاستوں کو زیر نگیں کرکے آخر میں دہلی کی سلطنت پر قابض ہوکر شاہان مغلیہ کا چراغ ہمیشہ کیلئے گل کردے ۱۷۵۷ء میں جنگ پلاسی میں انگریزوں کی فتح پھر ۱۷۹۹ء میں جنگ میسور کامیابی، ۱۸۰۳ء میں شاہ عالم دہلی کے ساتھ شرمناک معاہدہ، ۱۸۰۶ء اکبر شاہ ثانی کی نمائشی حکومت نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے سامنے آنے والی ساری رکاوٹیں دور کردیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے وارث وجانشین علمائے اسلام نے مذہبی وروحانی طور پر سلاطین وامرا کو اپنے وعظ وتبلیغ اور ارشاد و ہدایت کے ذریعہ سنبھالنے کی بہت کوشش کی۔ لیکن ان کی عیش پرستی ولپست ہمتی نے انہیں سنبھلنے کا موقع نہ دیا۔ اور وہ دن بہ دن اختلاف وانتشار اور لمحہ بہ لمحہ بزدلی اور زوال وانحطاط سے قریب ہونے گئے، جس کا برطانوی سامراج اور ایسٹ انڈیا کمپنی نے خوب خوب فائدہ اٹھایا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے امرار ونوابوں اور بااثر شخصیتوں کے درمیان

اپنے کارندے چھوڑ دئے۔ جو کسی کو مال و زر کی طمع میں پھانس کر اپنا شکار بناتے کسی کو عہدہ کا لالچ دے کر اپنے اسیر بناتے، کسی کو ڈرا دھمکا کر اپنا مطیع و محکوم بنانے، ایک دوسرے کے خلاف بدگمانیاں پیدا کرنا بھی ان کا مؤثر ہتھیار تھا، کیونکہ وہ لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی پر گامزن تھے۔

۱۰ ر مئی ۱۸۵۷ء کو جب میرٹھ سے انگریزوں کے خلاف بغاوت شروع ہوئی تو ہندوستانیوں کا جذبۂ حریت بیدار ہوا۔ اور وہ لڑتے بھڑتے دہلی تک پہنچے پھر دست بہ دست انگریزوں و ہندوستانیوں کے درمیان زبردست جنگ ہوئی۔ لیکن شومئ قسمت سے یہ انقلاب کامیاب نہ ہو سکا اور دہلی کے لال قلعہ پر برطانوی سامراج کا پرچم پوری شان و شوکت کے ساتھ لہرانے لگا۔

انقلاب ۱۸۵۷ء میں علی گڑھ، شاہجہانپور، پیلی بھیت، بریلی، بدایوں، مرادآباد، لکھنؤ، الہ آباد میں انگریزوں کے خلاف ہندوستانیوں نے پوری قوت کے ساتھ جنگ کی، لیکن دہلی کی کمزوری کے نتیجہ میں ان شہروں کے مجاہدین بھی پسپائی کے شکار ہو گئے۔

قائد تحریک آزادی علامہ فضل حق خیرآبادی جنہوں نے جامع مسجد دہلی میں اپنی شعلہ بار تقریر اور انگریزوں کے خلاف اپنے فتوئ جہاد کے ذریعہ مجاہدین حریت کے خون کو گرما دیا تھا، وہ انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزوں کے ظلم و ستم اور قتل و خونریزی کا نقشہ کھینچتے ہوئے دہلی کی تباہی کی داستان اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"پھر نصاریٰ نے شہر کے گرد و نواح کے رئیسوں اور سرداروں کو قتل

کرنا، ان کی جائداد۔ عمارتیں، مویشی، مال ومتاع، ہاتھی، گھوڑے، اونٹ اور ہتھیار وغیرہ کو لوٹنا شروع کیا، اسی پر اکتفا نہ کیا۔ بلکہ ان کے اہل وعیال کو بھی قتل کر ڈالا حالانکہ یہ سب رعایا بن چکے تھے اور ڈر یا لالچ سے فرمانبردار بن ہی جاتے، انہوں نے تمام راستوں پر چوکیاں بٹھادیں، تاکہ بھاگنے والوں کو پکڑ پکڑ کر لایا جائے، ہزاروں بھاگنے والوں میں تھوڑے ہی بچ پائے باقی سب پکڑے گئے۔

ان لوگوں کے پاس جو کچھ چاندی، سونا نکلتا پہلے تو وہ چھین لیتے پھر چادر، تہبند، قمیص، پاجامہ، جو کچھ ہاتھ لگتا اسے نہ چھوڑتے اس کے بعد ان لوگوں کو اپنے افسروں کے پاس پہونچا دیتے، وہ ان کیلئے قتل یا پھانسی کی سزا کا فیصلہ کرتے۔ جوان۔ بوڑھا، شریف اور رذیل سب کے ساتھ یہی سلوک ہوتا اس طرح پھانسی پانے والوں اور قتل ہونے والوں کی تعداد ہزاروں تک پہونچ گئی۔ ظالموں کے ظلم کے شکار اکثر و بیشتر مسلمان تھے ہندؤں میں سے صرف وہ مارے گئے جن کے متعلق دشمن و معاند ہونے کا یقین تھا۔ (صفحہ ۵۱ باغی ہندوستان ترجمہ اردو محمد عبد الشاہد خاں شیروانی طبع چہارم ۱۹۸۵ء المجمع الاسلامی مبارکپور)

" اس کے بعد نصاریٰ کی توجہ مشرقی شہروں اور دیہاتوں کی طرف مبذول ہوئی، وہاں بھی بڑا فساد مچایا، قتل، غارت گری اور پھانسی کا بازار گرم کیا بیشمار مرد اور پردہ نشین عورتیں موت کے گھاٹ اتار دی گئیں، اور سیکڑوں، ہزاروں آدمی مار ڈالے گئے (صفحہ ۵۲ باغی ہندوستان)

مذہبی، تعلیمی، معاشی، ہر محاذ پر انگریزوں نے ہندوستانیوں کو کچلنے کی بھرپور کوشش کی۔ اور پورے ہندوستان کو پہلے غلام اور پھر عیسائی بنانے کی سازش کی چنانچہ علامہ فضل حق خیرآبادی تحریر فرماتے ہیں۔

"انہوں نے تمام باشندگان ہند کو، کیا امیر کیا غریب، چھوٹے، بڑے مقیم، مسافر، شہری و دیہاتی سب کو نصرانی بنانے کی اسکیم بنائی۔ ان کا خیال تھا کہ ان کو نہ تو کوئی مددگار و معاون نصیب ہو سکے گا اور نہ تو انقیاد و اطاعت کے سوا انہیں سرتابی کی جرأت ہو سکے گی۔

یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ سب لوگ انہیں کی طرح ملحد و بے دین ہو کر ایک ہی ملت پر جمع ہو جائیں، اور کوئی ایک دوسرے سے ممتاز فرقہ نہ رہ سکے۔

انہوں نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ مذہبی بنیاد پر حکمرانوں سے باشندوں کا اختلاف تسلط و قبضہ کی راہ میں سنگ گراں ثابت ہو گا، اور سلطنت میں انقلاب پیدا کر دے گا، اسلئے پوری جانفشانی اور تندہی کے ساتھ مذہب و ملت کو مٹانے کیلئے طرح طرح کے حیلہ سے کام لینا شروع کیا،

انہوں نے بچوں اور نافہموں کی تعلیم اپنی زبان و دین کی تلقین کیلئے شہروں اور دیہاتوں میں اسکول قائم کئے، اور ماضی کے علوم و معارف و مدارس و مکاتب کے مٹانے کی پوری کوشش کی۔

دوسری ترکیب یہ سوچی کہ مختلف طبقوں پر قابو اس طرح حاصل کیا جائے کہ زمین ہند کے غلہ کی پیداوار کاشت کاروں سے لیکر نقد دام ادا کئے جائیں۔ اور ان غریبوں کو خرید و فروخت کا کوئی حق نہ چھوڑا جائے۔

اس طرح بھاؤ کے گھٹانے، بڑھانے اور منڈیوں تک اجناس

پہونچانے نہ پہونچانے کے خود ہی ذمہ دار بن بیٹھے ۔

اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ خدا کی مخلوق مجبور و معذور ہوکر ان کے قدموں میں آپڑے، اور خوراک نہ ملنے پر ان نصاریٰ اور ان کے اعوان و انصار کے ہر حکم کی تعمیل اور ہر مقصد کی تکمیل کرے،

ان ترکیبوں کے علاوہ انکے دل میں اور بھی بہت سے مفاسد چھپے ہوئے تھے، مثلاً مسلمانوں کو ختنہ کرانے سے روکنا، شریف و پردہ نشین خواتین کا پردہ ختم کرانا نیز دوسرے احکام دین مبین کو مٹانا وغیر ذلک (ص۳۱ باغی ہندوستان)

۱۹ ر ستمبر ۱۸۵۷ء میں دہلی کے اندر ناکامی سے ہمکنار ہونیوالا انقلاب میرٹھ سے کیوں؟ اور کس طرح شروع ہوا اس کے بارے میں علامہ فضل حق خیر آبادی کا یہ بیان چشم عبرت سے پڑھنے کے لائق ہے، جس نے حریت پسندوں کو آگ بگولہ بنا دیا تھا۔ اور انگریزوں کی بدبختی و سنگ دلی کھل کر سامنے آگئی تھی ۔

اپنے مکر کی ابتدا اس طرح کی، کہ سب سے پہلے اپنے ہندو مسلم لشکریوں کو ان کی رسوم و اصول سے ہٹانے اور مذہب و عقائد سے گمراہ کرنے کے درپے ہوئے، ان کا گمان تھا کہ جب بہادر لشکری اپنے دین کو بدلنے اور احکام نصرانیت بجالانے پر آمادہ ہوجائیں گے، تو پھر دوسرے باشندوں کو سزا و عقاب کی ڈر سے خود ہی انکار کی مجال نہ ہو سکے گی ۔

انہوں نے ہندو لشکریوں کو جو تعداد میں زیادہ تھے انہیں گائے کی چربی اور مسلمان سپاہیوں کو جو تعداد میں کم تھے ۔ انہیں خنزیر کی چربی چکھانے

پر زور ڈالا۔

یہ شرمناک روش دیکھ کر دونوں فرقوں میں اضطراب پیدا ہو گیا اور اپنے اپنے مذہب و اعتقاد کی حفاظت کی خاطر ان کی اطاعت و انقیاد سے منھ موڑ لیا، ان کے اس اضطراب نے خرمن امن پر چنگاری کا کام کیا (ص ۳۳ باغی ہندوستان اردو ترجمہ محمد عبدالشاہد شیروانی طبع چہارم ۱۹۸۵ء المجمع الاسلامی مبارکپور)

○

مکر و حیلہ، مال و زر، طاقت و قوت، اور قہر و جبر کے ساتھ دہلی کی طرف بڑھنے والے طوفان نصرانیت اور برطانوی استعمار کا علمائے کرام و قائدین تحریک آزادی نے بھرپور مقابلہ کیا، دہلی و علاقہ اودھ و آگرہ میں جگہ جگہ مزاحمت کی، شہر شہر، قریہ قریہ معرکہ بپا کیا۔ جان و مال کی قربانیاں دیں، اور اپنے آپ کو داؤ پر لگا دیا، جس کی پاداش میں ظالم انگریز حکمرانوں نے قتل و خوں ریزی کا وہ ہولناک اور وحشتناک کھیل کھیلا، کہ مجاہدوں و حریت پسندوں کا سرزمین ہندار پر جینا دوبھر ہو گیا، ہزاروں مجاہدین کی جائیدادیں ضبط ہوئیں۔ ہزاروں پر مقدمے چلے ہزاروں کو سزائے موت دی گئی۔

ہزاروں کو تختۂ دار پر چڑھایا گیا، ہزاروں کو تہہ تیغ کیا گیا ہزاروں کو کالا پانی بھیج کر بے بسی کی موت مرنے پر مجبور کیا گیا اور ہزاروں کی عزت و آبرو نیلام ہوئی۔

طبقۂ علماء پر سب سے زیادہ ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے، مساجد و مدارس اور خانقاہوں کو تباہ و برباد کیا گیا، تاکہ مسلمانوں کی مرکزیت و اجتماعیت

کا شیرازہ اس طرح بکھر جائے کہ آئندہ وہ کبھی سر اٹھانے کے قابل نہ رہ جائیں۔

مسلمانوں کو خصوصیت سے نشانہ بنانے کی وجہ یہ تھی کہ انگریزوں نے مسلمانوں ہی کے ہاتھ سے حکومت وسلطنت چھینی تھی اور وہ بنیادی طور پر مسلمانوں ہی کو اپنا حریف و مدمقابل سمجھتے تھے اور وہ مسلمانوں کی اس نفسیاتی و جذباتی فطرت سے اچھی طرح واقف تھے کہ جب بھی یہ مسلمان سنبھل کر اپنے تخت وتاج اور ریاست وامارت کی طرف نگاہ اٹھائیں گے تو انکی کچلی ہوئی خواہشیں پھر سر ابھارنے لگیں گی، اور وہ پھر اپنی صفیں درست کر کے پوری تیاری کے ساتھ میدان کارزار گرم کر دینگے

انگریزوں نے ۱۹ ستمبر ۱۸۵۷ء میں دلی پر اپنے مکمل قبضہ واقتدار کا پرچم لہرانے کے بعد مسلسل خفیہ سازشوں کے تحت مسلمانوں کو طرح طرح کے مسائل اور مشکلات و مصائب میں الجھائے رکھا تاکہ وہ اپنے ماضی سے غافل ہو جائیں بلکہ انہیں اتنا ہوش ہی نہ رہے کہ مڑ کر اپنے ماضی کی طرف دیکھ سکیں وہ اپنے حال کی اصلاح اور درپیش حالات کا مقابلہ کرنے ہی میں اپنی توانائی صرف کر کے رہ جائیں۔

بہرحال ماضی کی یہ داستان بڑی طویل بھی ہے اور المناک بھی، لیکن ہمیں حیرت اس بات پر ہے کہ سرزمین ہند کو اپنے خون جگر سے سینچنے والے مجاہدین وقائدین تحریک آزادی کو مورخین وسیاستداں رفتہ رفتہ بھولتے جا رہے ہیں، اور آج کی تعلیم گاہوں و درسگاہوں میں ایسے لوگوں کی اکثریت ہو چکی ہے، جو کبھی بھول کر بھی ۱۸۵۷ء کے قائدین ومجاہدین کا نام نہیں لیتے

ہمارا قومی و ملی فریضہ ہے کہ ہم اپنے محسنین کو یاد رکھیں ان کی قربانیوں کا ذکر کریں اور انہیں شایان شان طور پر خراج عقیدت پیش کرتے رہیں۔ تاکہ ہمارے دلوں میں تازہ ولولہ پیدا ہوتا رہے اور جذبات کو توانائی کی غذا ملتی رہے اور ہم ان کے نقوش پا کی رہنمائی میں اپنی منزل کی طرف گامزن ہوتے رہیں۔ دیکھئے، سنئے، قائدین و مجاہدین آزادی کی بے نشاں قبروں سے یہ کیسی آواز آرہی ہے؟

نشانِ منزلِ مقصود ہے میری تربت
نشاں یہ چھوڑتا ہوں اہل کارواں کیلئے

یٰسٓ اختر مصباحی
نزیل حال ۔ رضا اکیڈمی بمبئی

ربیع الآخر ۱۴۱۸ھ اگست ۱۹۹۷ء

دار القلم قادری مسجد روڈ
ذاکر نگر نئی دہلی ۲۵
فون: ۳۲۸۳۱۸۲ کوڈ: ۰۱۱
۳۲۶۴۵۲۴

حافظ الملک نواب رحمت خاں روہیلہ

پیلی بھیت، رام پور، بریلی، شاہجہانپور وغیرہ میں روہیلہ پٹھانوں کی اچھی خاصی تعداد بہت پہلے سے موجود ہے، جہاں اٹھارہویں صدی عیسوی کے اوائل میں روہیلہ سرداروں کا عروج ہوا اور داؤد خاں و حافظ رحمت خاں وغیرہ روہیلہ سرداروں نے کئی جنگیں جیت کر بریلی کھنڈ کو روہیل کھنڈ کا نام دے کر اسے سارے ہندوستان میں مشہور کیا، ابھی حال ہی میں ہندوستانی اخبارات کے اندر یہ ایک تاریخی رپورٹ شائع ہوئی ہے۔

تاریخی دستاویزات کے مطابق ۱۷۷۲ء میں مراٹھوں نے جب روہیل کھنڈ پر حملہ کیا تو روہیلہ سردار حافظ رحمت خاں نے نواب وزیر سے انگریز سپہ سالار سر رابرٹ باکر کے سامنے باہمی سلامتی کیلئے ایک سمجھوتہ کیا، جس کے بدلے میں ۴۰ لاکھ روپے کی رقم دینا طے ہوا۔ ۱۷۷۳ء میں مراٹھوں نے روہیل کھنڈ پر حملہ کا منصوبہ بنایا لیکن بعد میں وہ بنا حملہ کئے ہی لوٹ گئے۔

معاہدہ کے مطابق نواب وزیر نے جو ۴۰ لاکھ روپے کی رقم طلب کی تھی اس کے معاملہ پر نواب شجاع الدولہ اور حافظ رحمت خاں کے درمیان ہوئے اختلافات سے کچھ عرصہ بعد وارن ہسٹنگز اور شجاع الدولہ کی متحدہ فوج سے شاہجہانپور ضلع کے میران پور کٹرہ کے میدان میں ہوئی لڑائی میں حافظ رحمت خاں شہید ہو گئے تو بریلی پر انگریز کمپنی کا قبضہ ہو گیا اس کے باوجود تقریباً ۲۵ سال تک روہیل فوج اور کمپنی کی فوجوں کے درمیان چھوٹی موٹی لڑائیاں ہوتی رہیں۔

حافظ رحمت خاں ایک بہادر سپہ سالار اور دیندار حکمراں تھے آپکی تعمیر کردہ جامع مسجد پیلی بھیت دینی جذبہ کی ایک روشن یادگار ہے اسی طرح ایک روایت کے مطابق مسجد بی بی جی محلہ بہاری پور بریلی آپ کی پاک طینت اور دیندار بیوی کے مذہبی جذبات کی آئینہ دار ہے۔ [1]

حافظ رحمت خاں روہیلہ کے پوتے نواب خان بہادر خاں مروجہ تعلیم سے واقف اور انگریزی دور حکومت میں بریلی کے صدر الصدور تھے۔ عوام وخواص میں مقبولیت حاصل تھی ایک موقعہ پر جب عوام میں انگریزوں سے بیزاری پھیلی، اور انگریزی آفیسران نے نینی تال کا رخ کیا تو کمشنر بریلی مسٹر الیگزنڈر نے نواب خاں بہادر کو حالات کی اصلاح کیلئے استعمال کرنا چاہا، تو آپنے معذرت کردی، ۲۹ مئی ۱۸۵۷ء میں بریلی کے اندر موجود ہندوستانی فوج نے اپنے آفیسران کے خلاف شورش برپا کردی جس سے کچھ انگریز مارے گئے باقی نینی تال بھاگ گئے۔

جنرل بخت خاں روہیلہ نے فوجی کمان سنوارتے ہوئے اپنا سبز جھنڈا

---

[1] ۱۳۵۶ھ میں مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی متوفی ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۱ء خلف اصغر امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء نے ایک دینی و علمی ادارہ اسی مسجد میں بنام مظہر اسلام قائم کیا جسکے پہلے صدر مدرس حضرت مولانا سردار احمد گورداس پوری متوفی ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء تلمیذ رشید حضرت مولانا امجد علی اعظمی مصنف بہار شریعت متوفی ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء ہوئے۔ مسجد بی بی جی محلہ بہاری پور بریلی میں امام احمد رضا بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء فارغ التحصیل طلبا مدرسہ اہلسنت وجماعت کا سالانہ جلسہ دستار بندی منعقد کیا کرتے تھے

بلند کیا اور نواب خاں بہادر خاں کو روہیل کھنڈ کا نواب منتخب کیا اسی طرح شاہجہاں پور کی نظامت پر نظام علی خاں کو مقرر کیا گیا اور بدایوں کی نظامت فتح علی خاں کو تفویض ہوئی، بہادر شاہ ظفر نے نواب بہادر خاں کو انتظام الدولہ محافظ الملک خاں بہادر رئیس اعظم ملک روہیل کھنڈ کا خطاب عطا فرمایا۔

نواب خاں بہادر خاں نے خط لکھ کر مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی کو لکھنؤ سے بریلی آنے کی دعوت دی، اسی طرح شہزادہ فیروز شاہ نواب تفضل حسین خاں فرخ آبادی وغیرہ بھی بریلی آگئے اور انگریزوں سے جم کر معرکہ ہوا۔

۵ رمئی ۱۸۵۸ء کو انگریزی فوج نے بریلی پر دھاوا بول دیا جسکے بعد مجاہدین کے درمیان کچھ ایسی افواہیں پھیلائی گئیں کہ ہر طرف بھگدڑ مچ گئی، نواب تفضل حسین خاں فرخ آبادی، شہزادہ فیروز شاہ اور خاں بہادر خاں کو مجبوراً قصبہ محمدی ضلع شاہ جہانپور کی راہ اختیار کرنی پڑی، جہاں مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی نے اپنی حکومت قائم کر لی تھی، جنرل بخت خاں روہیلہ بھی وہیں پہنچ آئے۔

شاہ احمد اللہ مدراسی کو دھوکہ سے شہید کر کے لاش جلادی گئی اور سر کوتوالی شاہجہانپور میں لٹکایا گیا۔

مجاہدین چھپتے چھپاتے مشکل حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے نیپال چلے گئے اہل بریلی طرح طرح کی آفتوں میں مبتلا اور ہزاروں کی تعداد میں شہید ہوئے۔

۱۸۵۹ء میں خاں بہادر خاں کو دھوکہ سے گرفتار کر کے لکھنؤ لایا گیا، پھر شاہجہانپور بھیجا گیا اور وہاں آپ پر مقدمہ قائم کر کے پھانسی کا فیصلہ سنایا گیا، خاں بہادر خاں مسکراتے اور کلمہ پڑھتے ہوئے تختۂ دار پر چڑھ کر شہید ہو گئے۔

قائد
تحریکِ آزادی

علامہ فضلِ حق خیر آبادیؒ

علامہ فضل امام خیر آبادی متوفی ۱۲۴۴ھ کے جلیل القدر اور عظیم المرتبت فرزند علامہ فضل حق خیر آبادی ۱۲۱۲ھ مطابق ۱۷۹۷ء خیر آباد (سیتاپور) میں پیدا ہوئے۔ معقولات کی تعلیم اپنے والد سے اور منقولات کی تعلیم حضرت شاہ عبد القادر محدث دہلوی و حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی فرزندانِ گرامی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے حاصل کی، ۱۲۲۵ھ مطابق ۱۸۰۹ء میں بعمر ۱۳ سال تمام رائج الوقت علوم و فنون کی آپنے تکمیل کر لی اور صرف چار ماہ کچھ دن میں قرآن کریم کا حفظ بھی مکمل کر لیا۔

۱۸۰۹ء سے لے کر ۱۸۵۸ء تک مسلسل آپنے درس و تدریس تصنیف و تالیف اور فرائضِ ملازمت انجام دیئے۔

پہلے آپنے دلی میں ملازمت کی پھر نواب فیض محمد خان والی جھجر نے آپ کو بمشاہرہ پانصد روپیہ اپنے پاس بلا لیا، اسکے بعد ریاست الور و سہارنپور و ٹونک و رامپور میں بھی آپ معزز عہدوں پر فائز رہے، آٹھ برس

تک رامپور رہنے کے بعد صدر الصدور بن کر لکھنؤ پہنچے۔

علامہ فضل حق خیر آبادی نہایت زیرک و دانا اور ذہین و طباع صاحب فکر و بصیرت عالم و فاضل تھے، سخن فہمی و شعر گوئی میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا، مرزا غالب دہلوی کا موجودہ دیوان علامہ فضل حق خیر آبادی نے ہی منتخب و مرتب کیا ہے۔

علامہ کے حلقۂ احباب میں مفتی صدر الدین آزردہ، مولانا امام بخش صہبائی، شیخ محمد ابراہیم ذوق، حکیم مومن خاں مومن، مرزا اسد اللہ خاں غالب، نواب ضیاء الدین خاں نیر، شاہ نصیر الدین نصیر، مولانا عبد اللہ خاں علوی، وغیرہ سے آپ کے دوستانہ اور گہرے مراسم تھے، اور علامہ کے گھر اکثر علماء و فضلاء شام کے وقت جمع ہو جایا کرتے تھے عربی زبان کے آپ زبردست ادیب اور شاعر بھی تھے، رسالہ، الثورۃ الہندیہ، "قصائد فتنۃ الہندیہ" اس کے زندہ ثبوت ہیں۔ نعتیہ عربی اشعار ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں۔

آپ کی دینی و علمی تصانیف و حواشی کی تعداد ایک درجن سے متجاوز ہے جنمیں (۱) تحقیق الفتوی فی ابطال الطغوی (۲) امتناع النظیر (۳) الروض المجود فی تحقیق حقیقۃ الوجود (۴) رسالہ الثورۃ الہندیہ (۵) الہدیۃ السعیدیہ (۶) حاشیہ افق المبین (۷) حاشیہ شرح مسلم قاضی مبارک وغیرہ مشہور ہیں۔

آپ کی اولاد میں علامہ عبد الحق خیر آبادی پرنسپل مدرسہ عالیہ رامپور متوفی ۱۳۱۶ھ ۱۸۹۸ء نے علمی میدان میں آپ کا نام روشن کیا علامہ کے چند مشہور تلامذہ کے نام یہ ہیں (۱) مولانا سید عبد اللہ بلگرامی

ابن سید شاہ آل احمد متوفی ۱۳۰۵ھ (۲) مولانا عبد القادر بدایونی ابن مولانا فضل رسول عثمانی بدایونی متوفی ۱۳۱۹ھ (امام احمد رضا بریلوی مولانا بدایونی اور اپنے والد مولانا نقی علی خاں بریلوی متوفی ۱۲۹۷ھ کے ہمراہ مارہرہ حاضر ہو کر ۱۲۹۴ھ میں حضرت سیدنا شاہ آل رسول احمدی برکاتی متوفی ۱۲۹۶ھ سے بیعت ہوئے اور خلافت سے سرفراز فرمائے گئے) (۳) مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری ثم جونپوری متوفی ۱۳۲۶ھ (استاذ مولانا سید سلیمان اشرف و مولانا امجد علی اعظمی) (۴) مولانا عبد العلی خاں رامپوری متوفی ۱۳۰۳ھ (استاذ امام احمد رضا بریلوی) (۵) مولانا فیض الحسن ابن علی بخش سہارنپوری متوفی ۱۳۰۴ھ (۶) مولانا نور الحسن ابن ابو الحسن مفتی الٰہی بخش کاندھلوی متوفی ۱۲۸۵ھ (۷) مولانا خیر الدین ابن محمد ہادی متوفی ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء (والد مولانا ابو الکلام آزاد) (۸) مولانا ہدایت علی بریلوی متوفی ۱۳۲۲ھ (۹) مولانا قلندر علی زبیری وغیرہم۔

سر سید نے علامہ کے کمال علم و فن کو خراج پیش کرتے ہوئے لکھا ہے

جمیع علوم و فنون میں یکتائے روزگار ہیں اور منطق و حکمت کی تو گویا انہیں کی فکر عالی نے بنا لی ہے۔ علمائے عصر بل فضلائے دہر کو کیا طاقت ہے کہ اس سر گروہ اہل کمال کے حضور میں بساط مناظرہ آراستہ کر سکیں، بارہا دیکھا گیا کہ جو لوگ اپنے آپ کو یگانۂ فن سمجھتے تھے، جب ان کی زبان سے ایک حرف سنا، دعوائے کمال کو فراموش کر کے نسبت شاگردی کو اپنا فخر سمجھے (ص ۱۴۸ مقالات سر سید حصہ شانزدہم مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور)

بہادر شاہ ظفر اور قلعہ معلیٰ سے علامہ کے خصوصی مراسم تھے۔ ۱۰/ مئی سنہ ۱۸۵۷ء میں میرٹھ سے جب غاصب انگریزوں کے خلاف ہندوستانی فوجی اٹھ کھڑے ہوئے تو علامہ فضل حق خیرآبادی الور سے دہلی پہنچ کر بہادر شاہ ظفر اور ان کے ہمدرد مشیروں کی رہنمائی کرنے لگے اور آپ کی تجویز کے مطابق جہاد آزادی کیلئے والیان ریاست کو خطوط لکھے جانے لگے۔ آپ نے سلطنت کا دستورالعمل مرتب کیا، شہریوں اور فوجیوں کو برطانوی استعمار کے خلاف جہاد حریت کیلئے آمادہ کیا، خود بہادر شاہ ظفر نے ایک کنگ کونسل قائم کی جس کے یہ تین معزز ارکان تھے، جنرل بخت خاں روہیلہ، مولانا سرفراز علی شاہجہاں پوری اور مولانا فضلِ حق خیرآبادی۔

علامہ فضل حق خیرآبادی نے برطانوی سامراج کے خلاف ہندوستانیوں کا جذبۂ حریت بیدار کرنے کیلئے جامع مسجد دہلی میں بعد نماز جمعہ ایک ولولہ انگیز تاریخی تقریر کی، اور ایک فتویٰ جہاد بھی مرتب کر کے مشتہر کیا، جس پہ آپ کے علاوہ صدر الصدور مفتی صدرالدین آزردہ، مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی مولانا ڈاکٹر وزیر خاں اکبرآبادی، سید مبارک شاہ رامپوری و دیگر علماء و قائدین کے بھی دستخط تھے۔

۱۹/ ستمبر سنہ ۱۸۵۷ء میں جب دہلی پر انگریزوں کا مکمل قبضہ ہو گیا تو علامہ لکھنؤ پہنچے اور جماعت مجاہدین کی قیادت و رہنمائی کرنے لگے، لکھنؤ میں بھی جب مجاہدین کو ناکامی ہوئی تو علامہ اپنے وطن خیرآباد پہنچ گئے جہاں آپ کے اہل و عیال تھے، کچھ دنوں بعد ۳۰/ جنوری ۱۸۵۹ء میں آپکو گرفتار کر کے لکھنؤ لایا گیا، جہاں آپ کے خلاف مقدمہ چلایا گیا، جس مخبر نے فتویٰ

کی خبر دے کر آپ کو اس مصیبت میں گرفتار کرایا تھا اور پھر دوران مقدمہ آپ کو دیکھ کر متضاد بیان دینے لگا اس کے بارے میں علامہ نے فرمایا پہلے اس گواہ نے سچ کہا تھا اور رپورٹ بالکل صحیح لکھوائی تھی اب عدالت میں میری صورت دیکھ کے مرعوب سا ہو گیا اور جھوٹ بولا وہ فتویٰ صحیح ہے میرا لکھا ہوا ہے، اور آج اس وقت بھی میری وہی رائے ہے۔

بہر حال اس مقدمہ میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ ان کی تمام جائداد ضبط کر لی جائے اور انہیں تاحیات جزیرۂ انڈیمان (کالا پانی) بھیج دیا جائے۔

جزیرہ انڈیمان (کالا پانی) میں آپ کو اتنی تکالیف وشدائد کا سامنا کرنا پڑا جن کا آپ نے زندگی میں کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا، وہاں کا انگریز افسر مشرقی علوم اور فن ہیئت کا ماہر تھا، ایک سزا یافتہ ہندوستانی عالم کو فارسی میں تحریر کی ہوئی اپنی ایک کتاب اس انگریز افسر نے تصحیح کیلئے دی، اس عالم نے علامہ فضل حق خیر آبادی سے علمی مدد چاہی، تو علامہ نے نہ صرف یہ کہ اس کتاب کی عبارتیں درست کیں بلکہ مفید اضافے کئے اور حاشیہ میں بہت سی کتابوں کے حوالے دے دیئے انگریز افسر نے وہ کتاب دیکھ کر اور ہندوستانی عالم کی زبانی یہ حقیقت سن کر کہ علامہ نے یہ خدمت انجام دی ہے فوراً وہ علامہ کے پاس پہنچا اور کچھ انتظار کے بعد اسے یہ دیکھ کر بڑا افسوس ہوا کہ علامہ بغل میں ٹوکرا دبائے چلے آرہے ہیں اس نے معذرت کرتے ہوئے کلرک کی جگہ آپ کو پیش کی اور اپنی گورنمنٹ کو ایک سفارشی خط لکھا، ادھر دہلی میں آپ کے صاحبزادے مولانا شمس الحق وغیرہ آپ کی رہائی کیلئے

سرگرم کوششیں کر رہے تھے۔ بالآخر پروانہ آزادی حاصل کر کے مولانا شمس الحق جزیرۂ انڈیمان پہنچے، بحری جہاز سے اتر کر جب آپ آبادی میں پہنچے تو ایک جنازہ نظر آیا جس کے ساتھ بڑا ہجوم تھا، مولانا شمس الحق نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ کل علامہ فضل حق خیر آبادی کا انتقال ہو گیا اور آج انہیں سپرد خاک کرنے لیجایا جا رہا ہے بصد حسرت و یاس مولانا شمس الحق اپنے والد مرحوم کے جنازہ میں شریک ہوئے اور بعد دفن و فاتحہ خوانی اپنے وطن واپس لوٹے۔

علامہ فضل حق خیر آبادی کا انتقال بتاریخ ۱۲ر صفر ۱۲۷۸ھ مطابق ۲۰ر اگست ۱۸۶۱ء جزیرۂ انڈیمان میں ہوا۔

جس بے بسی و بے کسی کے ساتھ جلا وطنی کی حالت میں علامہ کی شہادت ہوئی اسکی خبر سن کر مرزا غالب نے اپنے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے لکھا۔

فخر ایجاد و تکوین مولانا فضل حق ایسا دوست مر جائے غالب نیم مردہ، نیم جاں رہ جائے۔

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی
موت آتی ہے پر نہیں آتی
آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی
اب کسی بات پہ نہیں آتی

(تفصیل و تحقیق کیلئے دیکھئے۔ باغی ہندوستان۔ ترجمہ و تقدیم محمد عبدالشاہد شیروانی (علی گڑھ) مطبوعہ ہند و پاک۔ فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون مرتبہ حکیم محمود احمد برکاتی ٹونکی مطبوعہ کراچی۔ امتیاز حق مرتبہ راجہ غلام محمد (لاہور) مطبوعہ پاک و ہند)

مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی

حضرت مولانا فضل رسول عثمانی بدایونی متوفی ۱۲۸۹؁ھ کے بھانجے مولانا فیض احمد بدایونی ۱۲۲۳؁ھ مطابق ۱۸۰۸؁ء میں پیدا ہوئے، چودہ ۱۴ سال کی عمر میں آپ علوم عربیہ اسلامیہ کی تعلیم مکمل کر کے تدریسی خدمات انجام دینے لگے، مختلف علوم وفنون میں آپ کو کمال حاصل تھا، ذہانت و فطانت اور تحقیق وتدقیق میں اپنے معاصرین کے درمیان آپ امتیازی مقام و مرتبہ پر فائز تھے۔ اپنے نانا حضرت مولانا شاہ عین الحق عبدالمجید عثمانی بدایونی متوفی ۱۲۶۳؁ھ خلیفہ حضرت سیدنا آل احمد اچھے میاں برکاتی مارہروی متوفی ۱۲۶۲؁ھ سے مرید ہوکر علوم طریقت میں بھی بلند مقام کے حامل ہوئے عربی، فارسی، اردو کے آپ بلند پایہ شاعر بھی تھے، سخاوت و فیاضی انکساری و تواضع اور رحمت و رأفت آپکی فطرت کے اجزاء تھے، تبلیغ اسلام اور رد عیسائیت میں آپ کو ملکہ حاصل تھا۔ ۱۸۵۶؁ء میں آگرہ کے اندر پادری فنڈر سے جب علمائے اسلام کا مناظرہ ہوا تو مولانا ڈاکٹر وزیر خان اکبرآبادی مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی، مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی پیش پیش تھے۔ اسکی پوری تفصیل کتابی شکل میں ۱۲۷۰؁ھ میں شاہجہانپور سے شائع ہوچکی ہے۔

آگرہ کی جامع مسجد جو اس زمانہ میں خستہ حال تھی اسکی مرمت کیلئے آپنے زبردست تحریک چلائی اور آس پاس میں دورے کر کے مسلمانوں کے عطیات جمع کئے اور آپکی جدوجہد سے نہ صرف یہ کہ جامع مسجد کی

اصلاح و مرمت ہوئی بلکہ مسجد دینی و علمی سرگرمیوں کا مرکز بھی بن گئی ۔

مولانا سید احمد اللہ شاہ مدراسی، جنرل بخت خاں، مولانا وزیر خاں اکبر آبادی و دیگر اکابرین تحریک آزادی سے آپکے خصوصی روابط اور دوستانہ مراسم تھے ۱۸۵۷ء میں انقلاب کے بعد بہادر شاہ ظفر کے اعلان خود مختاری کیلئے مولانا فیض بدایونی دہلی پہنچے جہاں آپ کے دوست جنرل بخت خاں روہیلوں کی فوج کیساتھ غاصب انگریزوں کا مقابلہ کر رہے تھے ۔

مولانا فیض احمد بدایونی اور جنرل بخت خاں کے مشورے سے علامہ فضل حق خیر آبادی نے شاہجہانی جامع مسجد دہلی میں بعد نماز جمعہ ایک ایسی ولولہ انگیز تقریر فرمائی کہ دہلی کے مسلمانوں نے کھل کر انگریزوں کے خلاف بے خوف و خطر ہو کر جنگی مورچہ سنبھال لیا ۔

اسی موقعہ پر علامہ فضل حق خیر آبادی نے علماء و قائدین آزادی سے مشورہ کر کے انگریزوں کیخلاف ایک فتوئ جہاد مرتب کیا، جس پر مولانا فیض بدایونی کے علاوہ مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی، مولانا وزیر خاں اکبر آبادی مولانا سید مبارک شاہ رامپوری وغیرہ کے بھی دستخط تھے ۔

دہلی میں ناکامی کے بعد آپ مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی اور جنرل بخت خاں کے ساتھ لکھنؤ چلے گئے اور مختلف جنگوں میں حصّہ لیتے ہوئے مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی کے ساتھ شاہجہانپور پہنچے اور آپ ہی کی تجویز پر مولانا مدراسی نے مجاہدین کا ایک طاقتور دستہ بدایوں کی طرف بھیجا ۔

جب قصبہ محمدی ضلع شاہجہانپور میں مجاہدین کی حکومت قائم ہوئی

توآپ اس کے ایک ذمہ دار رکن منتخب ہوئے لیکن کچھ ہی وقت گذرا تھا کہ سید احمد اللہ شاہ مدراسی ایک سازش و غداری کے تحت شہید کر دیئے گئے اور جماعت مجاہدین منتشر ہوگئی اور پھر معلوم نہیں مولانا فیض احمد کہاں روپوش یا شہید ہوئے کچھ مؤرخین کا اندازہ ہے کہ جنرل بخت خاں کے ساتھ آپ نیپال چلے گئے اور کچھ مؤرخین کی قیاس آرائی ہے کہ آپ حجاز مقدس یا قسطنطنیہ چلے گئے لیکن تلاش بسیار کے باوجود یہ نہ معلوم ہوسکا کہ کب ؟ اور کہاں ؟ کس حال میں آپ کا انتقال ہوا ؟

○

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے یہ گنجہائے گراں مایہ کیا کیے ؟

دلاورِ جنگ سیّد احمد اللہ شاہ مدراسی

مولانا سید احمد اللہ شاہ مدراسی ۱۲۰۴ھ میں بمقام چنیا پٹن تعلقہ پونا لی ساحل دریائے شور متعلقات مدراس میں پیدا ہوئے آپکے والد سلطان ٹیپو شہید کے مشیر و مصاحب اور چنیا پٹن کے نواب تھے۔

علوم عربیہ و اسلامیہ کی تکمیل مشاہیر علمائے عصر سے کرنے کے بعد آپ خود ایک ممتاز عالم و فاضل بن گئے، یورپ کے مختلف ممالک کے آپ نے دورے کئے اور عصری تقاضوں اور ترقیوں کا مثبت نظروں سے آپ نے مشاہدہ کیا پھر حج و زیارت حرمین شریفین کی سعادت سے سرفراز ہوئے۔ سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں جے پور کے حضرت قربان علی شاہ کے ہاتھ پر آپ نے بیعت کی۔ اور گوالیار میں پیر محراب شاہ قلندر سے آپ کو خرقۂ خلافت حاصل ہوا۔

انگریزوں کے پنجۂ استبداد سے ہندوستان کو آزاد کرانے کا جذبۂ بیکراں آپ کے سینہ میں سمندر کی طرح موجزن تھا اور جگہ جگہ آپ جہاد حریت کی روح پھونکتے ہوئے علم جہاد بلند کرتے رہے جنرل بخت خاں نے جب دہلی پہونچ کر ۱۸۵۷ء میں انگریزوں سے ٹکر لی تو مولانا مدراسی تحریک آزادی کے قائد کی حیثیت سے جنرل بخت کے دست راست بنے رہے، آگرہ۔ کانپور۔ لکھنؤ۔ فیض آباد۔ شاہجہانپور وغیرہ پہنچ کر آپ مجاہدین آزادی کے دلوں کو گرماتے اور ان کے جذبوں کو جوان کرتے رہے علماء و قائدین کو جنگ آزادی کے

میدان میں اتارتے اور ہر محاذ پر جماعت مجاہدین کے سپہ سالار کی حیثیت سے خود بھی داد شجاعت دیتے رہے، بالآخر شاہجہاں پور ۲ر ذوالقعدہ ۱۲۷۴ھ مطابق ۱۵ر جون ۱۸۵۸ء میں جام شہادت نوش کرکے اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں جا پہونچے۔

انقلاب ۱۸۵۷ء کے معرکوں میں شریک ایک انگریز فوجی افسر جنرل ٹامس نے مولانا مدراسی کی شجاعت و بہادری کا اس طرح اعتراف کیا ہے۔

مولوی احمد اللہ بڑی لیاقت اور قابلیت رکھتا تھا وہ ایسا شجاع تھا کہ خوف اس کے نزدیک نہیں آتا تھا، یہ عزم کا پکا اور ارادے کا مستقل تھا باغیوں میں اس سے بہتر سپاہی نہ تھا، یہ فخر اسی کو حاصل ہے کہ اس نے دو مرتبہ سر کالن کمبل کو میدان جنگ میں ناکامیاب رکھا، وہ بہ نسبت اور باغیوں کے خطاب شاہ کا زیادہ مستحق تھا۔ (تاریخ شاہجہانپور)

مفتی عنایت احمد کاکوروی

مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی ۹ر شوال ۱۲۲۸ھ مطابق ۱۵ر اکتوبر ۱۸۱۳ء دیوہ ضلع بارہ بنکی میں پیدا ہوئے، رام پور، دہلی اور علی گڑھ میں اپنی تعلیم مکمل کی پھر علیگڈھ ہی میں مفتی و منصف مقرر ہوئے، پھپھوند ضلع اٹاوہ میں بھی منصف کے منصب پر فائز رہے۔ استاذ العلماء مولانا لطف اللہ علی گڑھی ولادت ۱۲۴۴ھ وفات ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۶ء آپ کے شاگرد رشید ہیں ۱۲۷۰ھ میں آپ نے کانپور کے اندر مدرسہ فیض عام کی بنیاد ڈالی۔ علم الصیغہ وغیرہ آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔

جس زمانہ میں منصف کی حیثیت سے آپ بریلی پہونچے جگہ جگہ انقلاب ۱۸۵۷ء کی چنگاریاں اڑ رہی تھیں اور حریت پسندوں کی سرگرمیاں جاری تھیں، مفتی صاحب بھی ایسی مشاورتی نشستوں میں شریک ہونے لگے اور عملی طور پر بھی بعض جنگوں میں حصہ لینے لگے ۹ر جون ۱۸۵۷ء کو جنرل بخت خاں و مولانا سرفراز علی شاہجہانپوری کی قیادت میں مجاہدین کا سرفروش قافلہ دہلی پر حملہ کرنے کیلئے بریلی سے رام پور پہنچا تو مفتی صاحب بھی اس قافلہ کے ہم رکاب تھے متعدد مقامات پر بریلی، مرادآباد وغیرہ میں چونکہ مفتی صاحب نے انگریزوں کے خلاف جنگوں میں حصہ لیا تھا۔ اس لئے ۱۸۵۷ء کے انقلاب کی کوششیں سرد پڑنے اور دلی پر مکمل طور پر قابض ہونے کے بعد

انگریزوں نے آپ کو گرفتار کر کے کالا پانی بھیج دیا جہاں پہلے ہی سے قائد تحریک آزادی علامہ فضل حق خیر آبادی اور مفتی مظہر کریم دریا آبادی موجود تھے۔

کالا پانی کے زمانہ اسیری میں آپ نے قرآن کریم حفظ کیا، کتابوں سے مراجعت کے بغیر سیرت نبوی پر تواریخ حبیب الٰہ کے نام سے ایک بہترین کتاب لکھی اور تقویم البلدان کا ترجمہ کیا جس کے صلہ میں ۱۲۷۷ھ میں آپ کو رہائی ملی اور ہندوستان واپس آکر تقریبًا دو سال خدمت درس و تدریس کرنے کے بعد سفر حج کے دوران آپ کا وصال ہوا۔

حج کیلئے بحری جہاز سے سفر کرتے ہوئے جدہ کے قریب آپ کا جہاز ایک پہاڑی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہوگیا، اور آپ احرام باندھے ہوئے نماز کی حالت میں بحر رحمت الٰہی میں غزلق و شہید ہوگئے یہ حادثہ ۷ ار شوال ۱۲۷۹ھ مطابق ۷ ار اپریل ۱۸۶۳ء میں پیش آیا

~~~
~~~

مولانا ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی

مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی، جنرل بخت خاں روہیلہ، خاں بہادر خاں روہیلہ اور جنرل عظیم اللہ خاں کانپوری کی طرح مولانا ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی بھی تحریک آزادی کے بانیوں میں سے تھے انہیں بہادر شاہ ظفر نے آگرہ کا لارڈ گورنر بنایا تھا۔

مولانا ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی اسلامی علوم و فنون کے ساتھ علوم عصریہ کے ماہر، متعدد زبانوں پر دسترس رکھنے والے ایک ممتاز عالم و حکیم معالج اور قائد و رہنما تھے۔ مرشد آباد بنگال اور انگلستان میں تعلیم حاصل کی، عبرانی اور یونانی زبان سیکھی، ہندوستان واپسی کے بعد کلکتہ کے ایک بڑے اسپتال میں سرجن مقرر ہوئے، پھر آگرہ میں تقرر ہوا۔

مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی جب آگرہ پہنچے اور جہاد حریت کی راہ ہموار کرنے کیلئے مجلس علمار کی بنیاد ڈالی تو مولانا وزیر خاں بھی اس کے سرگرم ممبر ہوئے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستان سے باہر نکالنے کیلئے مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی نے جس مجلس علمار کی بنیاد رکھی تھی اس کے چند ممبران کے نام یہ ہیں۔ مولانا انعام اللہ خاں گوپاموی، مولانا غلام امام شہید، مولانا حافظ ریاض الدین مفتی شہر، مولانا کریم اللہ خاں بہادر صدر الصدور، مولانا طفیل احمد خیر آبادی وغیرہم۔

۱۸۵۳ء میں جب پادری فنڈر تبلیغ نصرانیت کیلئے انگلستان سے

ہندوستان آیا۔ تو اس نے جامع مسجد دلی کی سیڑھیوں پر اپنی تبلیغ شروع کی، اسلام پر حملے کئے۔ اور علمائے اسلام کو مناظرہ کا چیلنج دیا۔

پادری فنڈر عربی، فارسی کا عالم اور فن مناظرہ سے واقف تھا اور اسے برطانوی حکام کی پشت پناہی بھی حاصل تھی۔

جب آگرہ کی مجلس علماء کی شہرت سن کر پادری فنڈر نے آگرہ کا رخ کیا تو وہاں پہنچ کر بھی اس نے مجلس علماء کو مناظرہ کا چیلنج کیا۔

مولانا ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی نے مناظرہ کا چیلنج قبول کیا، اور اپنی اعانت کیلئے مولانا رحمت اللہ کیرانوی کو آگرہ مدعو کیا مولانا وزیر خاں اور مولانا رحمت اللہ توریت و انجیل کے عالم اور مذہب مسیحیت کا بہترین مطالعہ رکھتے تھے۔

رجب ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۵۶ء میں یہ مناظرہ ہوا جس میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی مسلمانوں کی طرف سے مناظر اول اور مولانا ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی مناظر دوم قرار پائے، اور ان حضرات کے ساتھ مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی و مولانا غلام امام شہید، مولانا طفیل احمد خیر آبادی و دیگر علماء و عمائدین شہر تھے اس مناظرہ کی تفصیلات اسی زمانہ میں شائع ہو گئی تھی، جن کے مطابق مسیحی مناظر پادری فنڈر کو شکست فاش ہوئی

چند ماہ بعد جب ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ شروع ہوا تو مولانا رحمت اللہ کیروانی کی گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا جسکے بعد آپ روپوش ہوتے ہوئے حجاز مقدس پہونچ گئے اور وہاں مکہ مکرمہ میں مدرسہ صولتیہ قائم کیا، ۲۴ رمضان ۱۳۰۸ھ میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا حجاز میں ہی انتقال ہوا۔

مولانا ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی نے آگرہ میں رہ کر انگریزوں کا مقابلہ کیا، پھر مولانا فیض احمد بدایونی کو لے کر دہلی پہونچ گئے، جہاں بریلی سے جنرل بخت خاں پہلے ہی پہنچ چکے تھے، اور مقبرہ ہمایوں دلی سے جب انگریزوں نے بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے ہر طرح سے دہلی پر قبضہ کر لیا تو جنرل بخت خاں اور وزیر خاں لکھنؤ چلے آئے جہاں جنرل عظیم اللہ خاں کانپوری، مولانا لیاقت علی الہ آبادی، شہزادہ فیروز شاہ وغیرہ پہلے ہی سے موجود تھے یہ سب مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی کے اس دربار سے منسلک ہوئے جسے انہوں نے لکھنؤ میں منظم کر رکھا تھا، لکھنؤ پر انگریزوں کے قبضہ کے بعد یہ سبھی حضرات شاہ جہانپور پہنچ گئے ۱۵ر جون ۱۸۵۸ء میں شاہجہانپور کا محمدی دربار بھی مولانا احمد شاہ مدراسی کی شہادت کے سبب منتشر ہو گیا۔ مولانا ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی حجاز مقدس پہنچ کر اپنے دوست مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے پاس مقیم ہو گئے، اور مولانا وزیر خاں کی یہ خوش قسمتی ہے کہ وہ عمر طبعی پا کر فوت ہوئے اور پھر جنت البقیع مدینہ منورہ میں دفن ہوئے۔

مولانا وہاج الدین مرادآبادی

مرادآباد کی عوام میں جہاد حریت کا جذبہ بیدار کرنے والوں میں مولانا وہاج الدین مرادآبادی کا بہت اہم کردار رہے۔ مرادآباد کے انگریزوں کو شکست دے کر جب مجاہدین نے اپنی حکومت قائم کی تو مولانا سید کفایت علی کافی مرادآبادی کو امیر شریعت نواب مجدالدین خاں عرف مجو خاں کو حاکم ضلع اور نواب شبّر علی خاں کو سپہ سالار اور اسد علی خاں کو توپ خانہ کا افسر اعلیٰ بنایا گیا لیکن مولانا وہاج الدین مرادآبادی نے اپنے لئے کوئی عہدہ قبول نہیں کیا اور حسب سابق تنظیم و تبلیغ جہاد میں مصروف رہے، نماز جمعہ کے بعد آپکی جوشیلی تقریریں ہوتیں جن میں حب الوطنی کا درس اور برطانوی استعمار سے آزادی حاصل کرنے کا پیغام ہوتا۔

پورے ضلع مرادآباد میں آپکی تحریک جہاد زبردست کامیابی سے ہمکنار ہوئی یہانتک کہ رامپور کے پٹھان بھی نواب یوسف علی خاں والی ریاست سے برگشتہ ہوکر مرادآباد کا رخ کرنے لگے اور پھر علاقہ روہیل کھنڈ پہونچکر آپ نے دوسرے قائدین تحریک آزادی سے رابطہ قائم کیا، مولانا سید کفایت علی کافی مرادآبادی کو ساتھ لے کر آپ بریلی پہنچے جہاں نواب ذوالفقار خاں خلف حافظ الملک حافظ رحمت خاں روہیلہ کے لڑکے نواب خاں بہادر خاں (جنہیں بعد میں ۱۸۵۹ء میں انگریزوں نے گرفتار کرکے شاہجہانپور میں تختۂ دار پر چڑھایا) سے آپ نے مشورے کئے انگریز فوجی افسر جنرل جانسن نے جب گورا پلٹن وگورکھا دستہ وغیرہ

کے ساتھ ۲۴ر اپریل ۱۸۵۷ء سنہ میں مراد آباد پر نور دار حملہ کیا تو شہزادہ فیروز شاہ کی قیادت اور مولانا وہاج الدین مراد آبادی و دیگر قائدین کی سربراہی میں مجاہدین نے بے جگری کے ساتھ مقابلہ کیا اور اس حملہ کا منھ توڑ جواب دیا۔

آخر میں انگریز غالب آگئے اور مراد آباد پہ قابض ہو گئے شہزادہ فیروز شاہ نے بچتے بچاتے دہلی پہنچ کر پناہ لی، مجاہدین بڑی تعداد میں گرفتار کر کے شہید کر دیئے گئے، مولانا وہاج الدین بھی روپوش ہو گئے لیکن کچھ دنوں کے بعد مخبری کے نتیجہ میں ایک مسلح دستہ نے آپ کا محاصرہ کر لیا اور آپ جانبازی کے ساتھ لڑتے اور کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے شہید ہو گئے

مولانا لیاقت علی الہ آبادی

چائل ضلع الہ آباد کے عالم و فاضل مقبول عوام و خواص اور سلسلۂ قادریہ کے بزرگ مولانا لیاقت علی الہ آبادی کے اثرات مسلمانوں کے علاوہ سرکاری فوج پر بھی تھے۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد الہ آباد میں آپ نے تحریک آزادی کی قیادت سنبھالی، خسرو باغ الہ آباد میں آپ نے اپنے مریدین و عقیدت مندوں کے علاوہ محب وطن فوجیوں کو جمع کیا۔ جہاں آپ نے بہادر شاہ ظفر کے نام کا سبز جھنڈا لہرایا، اور وہاں موجود سبھی لوگوں نے اتفاق رائے کیساتھ آپ کو الہ آباد کا امیر مقرر کیا۔ امیر مقرر ہونے کے بعد مولانا لیاقت علی الہ آبادی نے ایک اشتہار کے ذریعہ عوام اور محب وطن فوجیوں کو ہدایات جاری کیں، اور ظالم انگریزوں سے جنگ کر کے انہیں ملک بدر کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ اس اشتہار سے متاثر ہو کر ہزاروں کی تعداد میں لوگ آپکے جھنڈے کے نیچے آگئے، اور جم کر انگریزوں کا مقابلہ کیا، لیکن کچھ سازش اور غداری کے نتیجہ میں مولانا لیاقت علی کی فوج کو شکست ہوئی اور آپ الہ آباد سے لکھنؤ پہنچکر مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی کے پرچم کے نیچے آگئے۔ ۱۶ر جون ۱۸۵۸ء کو انگریزوں کی ایک بھاری جمعیت الہ آباد میں داخل ہوئی اور اسنے گولہ باری کر کے پورے شہر پر قبضہ کر لیا، اور صدہا ہندوستانیوں کو شہید کیا، سولی پر لٹکایا، اور کالا پانی کی سزا سنائی۔ ۱۸۵۸ء میں مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی کی شہادت کے بعد مولانا لیاقت علی الہ آبادی نیپال جاکر روپوش ہو گئے لیکن پھر انگریزوں نے آپکو گرفتار کر کے مقدمہ چلایا، اور جزیرۂ انڈیمان (کالا پانی) بھیج دیا، جہاں کچھ دنوں کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔

مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی

علامہ فضل حق خیرآبادی کے والد علامہ فضل امام خیرآبادی متوفی ۱۲۴۰ھ ۱۸۲۴ء
اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فرزند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ
کے شاگرد رشید صدر الصدور مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی ابن شیخ لطف اللہ
کشمیری ۱۲۰۴ھ مطابق ۱۷۸۹ء میں دہلی کے اندر پیدا ہوئے، تفسیر حدیث
اور منطق و فلسفہ کے زبردست عالم تھے، اپنے دور میں آپ علم و فضل کے
امام تھے شاہجہانی جامع مسجد دہلی کے قریب دور شاہجہانی کی یادگار مدرسہ
دار البقاء کا آپنے احیاء کیا اور تدریسی مصروفیات کیساتھ دہلی کے مفتی
عدالت و صدر الصدور بھی منتخب ہوئے علامہ فضل حق خیرآبادی کی مشہور
زمانہ کتاب تحقیق الفتوی فی ابطال الطغوی مطبوعہ ہند و پاک کی آپنے
تصدیق فرمائی ہے۔ مشاہد و مقامات مقدسہ کی حاضری کے جواز پر مشتمل
ایک کتاب منتہی المقال فی حدیث لا تشد الرحال آپکی مطبوعہ علمی یادگار ہے
آپکے لکھے ہوئے ایک تذکرۂ شعرا کا عکس بھی علیگڈھ میں موجود ہے۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں بغاوت کے الزام میں انگریزوں نے آپکو
گرفتار کر کے آپکا ذاتی کتب خانہ اور ساری جائداد ضبط کر لی ۲۴ ربیع
الاول ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۸۶۸ء میں آپ کا وصال ہوا۔ انگریزوں
کیخلاف علامہ فضل حق کے مرتب کردہ فتوی جہاد پر مفتی صدر الدین آزردہ نے بھی دستخط کیا تھا
یہ فتوی جہاد اخبار الظفر دہلی میں شائع ہو چکا ہے اور اصل فتوی کی نمائش سلور جبلی
جامعہ ملیہ نئی دلی میں آغا حیدر حسن دہلوی نے کرائی تھی۔

مولانا امام بخش صہبائی دہلوی

امام بخش صہبائی ہندوستان کے مشہور فارسی شاعر، مسلم الثبوت استاذ، باپ کی طرف سے فاروقی اور ماں کی طرف سے سید گھرانہ کے ایک باوقار فرد تھے، ۱۸۴۲ء میں آپ دہلی کالج کے مدرس اور کچھ عرصہ بعد اس کالج کے مدرس اول منتخب ہوئے، آپ فارسی کے شاعر و استاذ ہونے کے ساتھ ماہر صاحب قلم بھی تھے، فارسی اردو میں آپ کی متعدد تصانیف موجود ہیں، مرزا اسد اللہ خاں غالب سے آپ کی گہری دوستی تھی، علامہ فضل حق خیرآبادی، نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ، مومن خاں مومن، نواب ضیاءالدین خاں نیر آپ کی فارسی کے قدرداں تھے مولانا عبداللہ علوی آپ کے استاذ ہونے کے باوجود آپ کے دلدادہ تھے۔

انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد دہلی کے علماء جب انگریزوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے تو مولانا امام بخش صہبائی اور ان کے دو بیٹے گرفتار کر کے جمنا کے کنارے لے جائے گئے اور وہیں گولیوں کا نشانہ بنا کر آپ کی لاش جمنا میں پھینکوا دی گئی۔

دہی صہبائی جو تھے صاحب قول فیصل
ایک ہی ساتھ ہوئے قتل پدر اور پسر

مفتی سیّد کفایت علی کافی مراد آبادی

مشہور مجددی بزرگ حضرت شاہ غلام علی نقشبندی دہلوی کے خلیفہ حضرت شاہ ابوسعید مجددی رامپوری متوفیٰ ۱۲۵۰ھ کے شاگرد امیر شریعت مفتی سید کفایت علی کافی مراد آبادی نگینہ ضلع بجنور کے معزز سید گھرانہ کے فرد تھے، منقولات و معقولات میں یگانۂ روزگار تھے، بدایوں اور بریلی کے مشاہیر علماء سے آپنے اکتساب علم کیا تھا، بہترین نعت گو شاعر تھے، حسان الہند امام احمد رضا بریلوی آپ کو نعت گو شعراء کا بادشاہ قرار دیتے ہوئے اسطرح خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

مہکا ہے مری بوئے دہن سے عالم ∴ یاں نغمۂ شیریں نہیں تلخی سے بہم
کافی سلطان نعت گویاں ہیں رضاؔ ∴ ان شاء اللہ میں وزیر اعظم

مولانا کافی برطانوی سامراج کے شدید مخالف تھے، بہادر شاہ ظفر نے دہلی بلا کر جہاد حریت سے متعلق آپسے تبادلۂ خیال کیا، جنرل بخت خاں روہیلہ اور مولانا سید احمد اللہ شاہ مدراسی کی معیت میں رامپور و مراد آباد کے مختلف محاذوں پر آپ نے جنگیں کیں، بریلی کے اطراف میں جہاد کیلئے تبلیغی دورے کئے، مراد آباد پر جب مجاہدین کا قبضہ ہوا تو آپ امیر شریعت بنائے گئے، ۲۵ اپریل ۱۸۵۸ء میں جب مراد آباد پر انگریزوں کا قبضہ ہوا تو ۶ رمضان ۱۲۷۴ھ مطابق ۳۰ اپریل ۱۸۵۸ء میں انگریزوں نے خانہ تلاشی کر کے آپ کو گرفتار کیا، اور مقدمہ قائم کر کے آپ کو پھانسی کی سزا دی، پھانسی کی سزا سن کر آپنے اپنی مسرت کا

اظہار کیا، اور مراد آباد جیل سے متصل جب برسرِ عام آپ کو تختۂ دار پر لٹکایا گیا تو ذوق وشوق کے ساتھ آپ کی زبان پر یہ نغمۂ نعت جاری تھا۔

کوئی گل باقی رہے گا نہ چمن رہ جائے گا
پر رسول اللہ کا دینِ حسن رہ جائے گا
ہم صفیرو باغ میں ہے کوئی دم کا چہچہا
بلبلیں اڑ جائیں گی سونا چمن رہ جائیگا
اطلس و کمخواب کی پوشاک پر نازاں نہ ہو
اس تنِ بے جان پر خاکی کفن رہ جائے گا
سب فنا ہو جائیں گے کافی ولیکن حشر تک
نعت حضرت کا زبانوں پہ سخن رہ جائیگا

مولانا رضا علی خاں بریلوی

افغانستان کے خطۂ قندھار کا ایک معزز قبیلہ بھڑہیچ ہے جس کی ایک شاخ عہد مغلیہ میں لاہور اور پھر دلی میں آباد ہوئی، اس کے ایک فرد سعادت یار خاں سلطنت مغلیہ کی طرف سے ایک مہم سر کرنے کیلئے بریلی روہیل کھنڈ میں بھیجے گئے، سعادت یار خاں کے بڑے لڑکے اعظم خاں بریلی میں اقامت پذیر ہو گئے، اعظم خاں کے صاحبزادے حافظ محمد کاظم علی خاں کو اللہ تعالیٰ نے دینی و دنیوی دونوں وجاہتوں سے سرفراز فرمایا تھا، اور وہ عہد مغلیہ میں شہر بدایوں کے تحصیلدار بنائے گئے دوسو سواروں کی بٹالین آپ کی خدمت میں رہا کرتی تھی، آٹھ گاؤں بطور جاگیر کے آپ کو عطا ہوئے تھے ایک بار سلطنت مغلیہ کے نمائندہ وسفیر کی حیثیت سے کچھ متنازعہ سیاسی و انتظامی امور پر گفتگو کیلئے آپ کو کلکتہ بھی بھیجا گیا تھا تاکہ سلطنت مغلیہ اور انگریزوں کے درمیان بعض اختلافات ومناقشات کا تصفیہ ہو سکے۔

مولانا رضا علی خاں بریلوی انہیں حافظ کاظم علی خاں کے قابل فخر فرزند تھے ۱۲۲۴ھ میں آپ کی ولادت ہوئی ریاست ٹونک میں آپ نے مولانا خلیل الرحمٰن ابن مولانا محمد عرفان رامپوری سے دینی تعلیم حاصل کی، اور جلیل القدر عالم ہوئے، فن شاعری میں آپ مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی متوفی ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۸ء کے شاگرد تھے۔ ان کا ایک شعر ہے۔

آہ ! ہم پر ہوا مسلط وبالِ فرنگیاں
ہمیں ہیں مالک اور ہمیں آنکھیں دکھائی جاتی ہیں

مولانا رضا علی خاں بریلوی انگریزوں کے سخت مخالف اور بریلی کی جماعت مجاہدین کے پشت پناہ تھے ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں بریلی کے اندر آپ نے مجاہدین کو اپنے گھوڑوں اور سامان رسد کے ذریعہ مدد پہونچائی ہنگامہ میں جب انگریزوں کا تسلط ہوا اور شہر بریلی کے لوگ ادھر ادھر منتشر ہونے لگے تب بھی مولانا رضا علی خاں بریلوی اپنے مکان واقع محلہ ذخیرہ بریلی کے اندر تشریف فرما رہے، اور پنج وقتہ نمازیں مسجد میں باجماعت ادا کیا کرتے تھے ایک دن آپ ابھی مسجد ہی میں تھے کہ ادھر سے انگریزوں کا گزر ہوا تو وہ اس خیال سے مسجد کے اندر گھسے کہ کوئی شخص ملے تو اس کی پٹائی کریں، مسجد میں گھوم پھر کر انگریزوں نے تلاش کیا مگر انہیں کوئی نہیں ملا، حالانکہ مولانا رضا علی خاں اسوقت مسجد ہی میں موجود تھے لیکن اللہ نے ان انگریزوں کو اس وقت بصارت سے محروم کر دیا تھا۔ اور وہ آپ کو دیکھ نہ سکے۔

مولانا رضا علی خاں بریلوی کا ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۸۶۶ء میں انتقال ہوا۔

مولانا نقی علی خاں بریلوی مولانا رضا علی خاں کے مایۂ ناز فرزند ہیں جو ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۰ء کو محلہ ذخیرہ میں پیدا ہوئے، ساری تعلیم آپنے اپنے والد مولانا رضا علی خاں سے حاصل کی پھر درس و تدریس تصنیف و تالیف اور افتار کے کاموں میں مصروف رہے۔ مختلف علوم و فنون میں

آپ دسترس رکھتے تھے، ۲۵ سے زیادہ آپ کی تصنیفات ہیں، آپ بھی اپنے والد کی روش پہ قائم رہے، بریلی و پیلی بھیت میں آپ کو بے پناہ مقبولیت حاصل تھی، اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آپنے بھی انگریزوں سے مسلمانوں کو دور رکھنے کی کوشش کی اور اس سلسلہ میں وہ اپنے والد کے معین و مددگار رہے۔

ضلع رامپور میں جو آپ کی زمین تھی اسے ۱۸۵۷ء کی جنگ کے بعد انگریزوں نے ضبط کر لیا، ذوالقعدہ ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۸۰ء میں مولانا نقی علی بریلوی کا وصال ہوا۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی کے نام سے آج سارا عالم اسلام واقف ہے جو مولانا نقی علی خاں بریلوی کے عظیم المرتبت فرزند ہیں ۱۰ر شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ر جون ۱۸۵۶ء میں آپ کی ولادت ہوئی، اپنے والد سے آپنے جملہ علوم و فنون کی تعلیم حاصل کی، آپ کی پوری زندگی دینی و علمی خدمات انجام دیتے ہوئے گزری، آپ کی تصنیفات و تالیفات و حواشی کی تعداد تقریباً ایک ہزار ہے، سید شاہ آل رسول قادری برکاتی مارہروی متوفی ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۷۹ء سے ۱۲۹۴ھ مطابق ۱۸۷۷ء میں آپ کو بیعت و خلافت کا شرف حاصل ہوا۔ دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں اس وقت آپ کی حیات و خدمات پر ریسرچ و تحقیق کا سلسلہ جاری ہے۔

انگریزی تہذیب و معاشرت سے امام احمد رضا بریلوی کو شدید نفرت تھی زندگی بھر انہوں نے کسی انگریز سے ملاقات نہیں کی، فکری و

نظریاتی سطح پر ہمیشہ آپ نصاریٰ اور انکے تمدنی و سیاسی مفادات کے خلاف قلم چلاتے رہے اور مسلمانوں کو انگریزوں کی سازشوں سے علمی سطح پر متنبہ و ہوشیار کرتے رہے۔

امام احمد رضا بریلوی انگریزوں کی تحقیر کیلئے لفافہ پر ہمیشہ الٹا ٹکٹ لگایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں نے جارج پنجم کا سر نیچا کر دیا۔

مفتی محمد عبدالباقی برہان الحق جبل پوری متوفی ۱۹۸۴ سنہ ء جو آپکے تلمیذ و خلیفہ ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ۱۹۱۹ سنہ ء میں ایک بار میرے والد مولانا عبدالسلام کی دعوت پر آپ جبلپور تشریف لائے، ایک دن بعد نماز عصر تفریح کیلئے آپ بگھی پر گن گیرج فیکٹری کی طرف نکلے فوجی گوروں (انگریزوں) کی پارٹی فیکٹری سے اپنے اپنے کوارٹروں کی طرف جارہی تھی انہیں دیکھ کر آپ نے فرمایا، کمبخت بالکل بندر معلوم ہوتے ہیں۔

سید الطاف علی بریلوی مدیر "العلم" کراچی جنہوں نے امام احمد رضا بریلوی کا آخری دور دیکھا ہے وہ اپنے مشاہدات و تجربات اور احساسات و تاثرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

سیاسی نظریے کے اعتبار سے حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بلاشبہ حریت پسند تھے، انگریزی اور انگریزی حکومت سے دلی نفرت تھی "شمس العلماء" قسم کے کسی خطاب وغیرہ کو حاصل کرنے کا ان کو یا انکے صاحبزادگان" مولانا حامد رضا خاں، مصطفٰے رضا خاں صاحب کو کبھی تصور بھی نہ ہوا، والیان ریاست اور حکام وقت سے بھی

قطعاً راہ و رسم نہ تھی (ص ۶ شمارہ ۲۵ جنوری ۱۹۷۹ء روز نامہ جنگ کراچی)

۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں آپ کا وصال ہوا۔

مولانا حامد رضا خاں بریلوی (ولادت ۱۲۹۲ھ وفات ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۳ء) فرزند اکبر مولانا احمد رضا بریلوی نے اپنے خطبۂ صدارت آل انڈیا سنی کانفرنس شعبان ۱۳۴۳ھ مطابق مارچ ۱۹۲۵ء منعقدہ مرادآباد میں انگریزی تہذیب و تمدن کے خلاف جو تنقید و تبصرہ کیا ہے اس کا بھی یہاں مطالعہ کرتے چلیں۔

ہمارے ملک کے بعض وہ اصحاب جنہیں علوم سے بہرہ نہ تھا اور دل میں مسلمانوں کی رہنمائی کا شوق رکھتے تھے، نصاریٰ سے ان کے تعلقات گہرے تھے۔ جب انہوں نے مسلمانوں کے تمدن کی طرف نظر کی، تو اپنے پاس وہ اسلامی تعلیم کا کوئی سرمایہ نہ رکھتے تھے، نہ علماء سے صحبت و استفادہ کا موقع انہیں حاصل ہوا تھا، نصرانیوں کی صحبت میں زندگی گزار دی تھی، انکی خو بو طبیعت ثانیہ ہو گئی تھی، مسلمانوں کو اسی سانچہ میں ڈھالنے اور نصاریٰ کے تمدن میں رنگنے کے درپے ہو گئے، حتیٰ کہ جو نوجوان ان کے ہاتھ آئے ان کی زندگی کا طرز انہوں نے نصاریٰ کے مطابق کرایا۔ مسلمانوں کو نصرانی تمدن کیا فائدہ دیتا؟

تباہی و بربادی کی رفتار روز افزوں ترقی کرنے لگی، اور ان نئے پیشواؤں نے اسکو محسوس بھی کر لیا مگر دین سے ناواقفیت کی وجہ سے وہ اس طریقۂ زندگی میں تبدیلی کرنے سے تو مجبور تھے۔ ناچار اپنے سکھائے ہوئے تمدن کو مفید بنانے کیلئے انہوں نے اسلام سے مخالفت

شروع کر دی اور مسلمانوں سے اسلامی عادات چھڑانے اور نصاریٰ کے رنگ میں رنگنے کے درپے ہو گئے اور ایک حد تک مسلمانوں پہ اس کا زہریلا اثر بھی ہوا (خطبۂ صدارت از مولانا حامد رضا خاں بریلوی مطبوعہ مراد آباد سنہ ۱۹۲۵ء)۔

علامہ فضل حق خیر آبادی

کے خلاف

دائر ہونے والے

مقدمۂ بغاوت پر

ایک نظر

انقلاب ۱۸۵۷ء کے موقع پر قائد تحریک آزادی علامہ فضل حق خیر آبادی متوفی ۱۲۷۸ھ مطابق ۱۸۶۱ء کی جو قائدانہ سرگرمیاں اور مجاہدانہ خدمات تاریخ کے سینہ میں محفوظ ہیں ان کی خود علامہ فضل حق کے اس رسالہ "الثورۃ الہندیہ" و "قصائد فتنۃ الہند" کے اندر کچھ نشانات ملتے ہیں جنہیں مفتی عنایت احمد کاکوروی کے ذریعہ ۱۲۷۷ھ میں اپنے صاحبزادے علامہ عبدالحق خیر آبادی متوفی ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۸ء کے پاس علامہ فضل حق خیر آبادی نے خود بھیجا تھا اور ۱۹۴۷ء میں مولانا عبدالشاہد شیروانی نے ترجمہ و تقدیم کے ساتھ انہیں مدینہ پریس بجنور سے شائع کیا تھا قلعۂ معلیٰ دلی سے خصوصی روابط اور جنگی تدابیر سے متعلق مشوروں

کی کچھ جھلک منشی جیون لال کے روزنامچہ سے بھی ملتی ہے، دیگر معاصر تاریخوں اور بعد کے تحریر کردہ تذکروں میں بھی منتشر طور پر بعض حالات و واقعات ملتے ہیں۔

تہذیب و تمدن کے دعویدار اور علم و ہنر کے علمبردار انگریزوں نے انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستانیوں کے ساتھ وحشت و بربریت کا سلوک اور تحقیر و تذلیل کا جو ننگا ناچ کیا اسے دیکھ کر زمین کانپ اٹھی اور انسانیت کا سر شرم سے جھک گیا۔

ع آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں

مولانا عبدالشاہد شیروانی لکھتے ہیں ـــ خصوصیت سے مسلمانوں کے ساتھ جو ذلت آمیز اور جگر خراش برتاؤ کیا وہ بیان سے باہر ہے۔ زندہ مسلمانوں کو سور کی کھال میں سلوا کر گرم تیل کے کڑھاؤ میں ڈلوانا، سکھ رجمنٹ سے علی رؤس الاشہاد اغلام کرانا، فتحپوری مسجد سے قلعہ کے دروازے تک درختوں کی شاخوں پر مسلمانوں کی لاشوں کا لٹکانا، مساجد کی بے حرمتی خصوصاً شاہجہانی جامع مسجد دہلی کے حجروں میں گھوڑوں کا باندھنا عبادت کی جگہ دفاتر قائم کرنا اور حوض میں وضو کے پانی کی جگہ گھوڑوں کی لید ڈالنا، ناقابل معافی اور غیر ممکن التلافی جرم ہے (صفحہ ۲۲۲ باغی ہندوستان طبع چہارم ۱۹۸۵ء المجمع الاسلامی مبارکپور)

۱۲۷۵ھ مطابق ۱۸۵۹ء میں علامہ فضل حق خیرآبادی کیخلاف بجرم بغاوت انگریزوں نے لکھنؤ میں مقدمہ چلایا ۳۰ جنوری ۱۸۵۹ء علامہ کو گرفتار کیا گیا تھا اور ۲۱ فروری ۱۸۵۹ء میں کیپٹن الف اے وی تھربرن کے کورٹ مقدمہ شروع ہوا۔ ۲۸ فروری کو

کیپٹن تھربرن نے اپنے مرتب کردہ فرد جرم کی بنیاد پر جوڈیشنل کمشنر اودھ کے کورٹ میں مقدمہ منتقل کر دیا۔ جہاں سے ۴ مارچ کو بغاوت کے جرم میں تمام جائداد کی ضبطی اور جزیرۂ انڈیمان (کالا پانی) میں حبس دوام کا فیصلہ سنایا گیا۔

(اس مقدمہ کی کارروائی اس کی مسل و دیگر تفصیلات وتحقیقات کیلئے ص ۲۴۷ تا ص ۳۱۲ باغی ہندوستان طبع چہارم ۱۹۸۵ء المجمع الاسلامی مبارکپور کا مطالعہ بیحد مفید ہے)

مشہور انگریز مصنف ہنٹر اپنی کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" میں علامہ فضل حق خیر آبادی کے صاحبزادہ مولانا عبد الحق خیر آبادی جو ایک زمانہ میں مدرسہ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل تھے ان کے بارے میں لکھتا ہے۔ موجودہ ہیڈ مولوی اس عالم دین کے صاحبزادے ہیں جن کو ۱۸۵۷ء کے غدر نے نمایاں کر دیا تھا، اور جنہوں نے اپنے جرموں کا خمیازہ اسطرح بھگتا تھا کہ بحر ہند کے ایک جزیرہ میں تمام عمر کیلئے جلاوطن کر دیئے جائیں اس غدار عالم دین کا کتب خانہ جس کو حکومت نے ضبط کیا تھا اب کلکتہ کالج میں موجود ہے۔ (ہمارے ہندوستانی مسلمان)

رئیس احمد جعفری ندوی لکھتے ہیں مولانا فضل حق خیر آبادی علمی قابلیت میں نظیر نہیں رکھتے تھے ان کو فتویٰ جہاد اور جرم بغاوت میں انڈیمان بھیج دیا گیا (ص ۳۱۵ بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد)

جناب اسعد مدنی صدر جمعیۃ علمائے ہند کے والد شیخ حسین احمد مدنی صدر جمعیۃ علمائے ہند و شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند لکھتے ہیں۔

مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی جو کہ تحریک کے بہت بڑے رکن تھے اور بریلی، علیگڈھ اور اس کے ملحقہ اضلاع کے دوران تحریک کے گورنر تھے آخر ان کو گھر سے گرفتار کیا گیا۔ (ص ۶۴ تحریک ریشمی رومال)

یوسف مرزا کو خط لکھتے ہوئے مرزا اسد اللہ خاں غالب اپنے دوست علامہ فضل حق کے بارے میں اپنی تشویش کا اظہار اسطرح کرتے ہیں

"مولانا (فضل حق خیر آبادی) کا حال کچھ تم سے مجھ کو معلوم ہوا کچھ مجھ سے تم معلوم کرو، مرافعہ حکم دوام حبس بحال رہا بلکہ تاکید کی گئی کہ جلد دریائے شور کی طرف روانہ کرو چنانچہ تم کو معلوم ہو جائے گا، ان کا بیٹا ولایت میں اپیل کیا چاہتا ہے کیا ہونا ہے جو ہونا تھا ہو چکا انا للہ و انا الیہ راجعون

میاں داد خاں سیاح جب سیر کرتے ہوئے کلکتہ پہنچے تو انکے نام مرزا غالب نے لکھا۔

"ہاں خاں صاحب! آپ جو کلکتہ پہونچے ہو اور سب صاحبوں سے ملے ہو تو مولوی فضل حق کا حال اچھی طرح دریافت کرکے مجھ کو لکھو کہ اس نے رہائی کیوں نہ پائی اور وہاں جزیرہ میں اس کا کیا حال ہے؟ گزارا کس طرح ہوتا ہے؟ (اردوئے معلیٰ)

قید و بند کی اذیت ناک صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے جزیرۂ انڈمان ہی میں علامہ فضل حق خیر آبادی ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء میں اپنے خالق و مالک سے جا ملے۔

سر خاک شہیدے برگہائے لالہ می پاشم ∴ کہ خونش با نہالِ ملت ما سازگار آید